حجۃ الاسلام والمسلمین سید حسن خمینی

انقلاب اسلامی کی علمی بنیادیں
اور
امام خمینیؒ

بیسویں صدی کو "عظیم انقلابوں" کی صدی قرار دیا جاسکتا ہے۔ ایسی صدی جو اپنے ابتدائی سالوں سے لیکر آخر تک دنیا کے مختلف مقامات پر مختلف تحریکوں اور انقلابوں کو اپنے اندر سمیٹے ہوئے ہے۔ ایران میں انقلاب مشروطیت، روس میں انقلاب اکتوبر، چین میں موزے تنگ کا انقلاب اور دنیا کے دیگر مختلف مقامات پر چھوٹی بڑی تحریکیں اس حقیقت کی زندہ گواہ ہیں۔

ماسوائے انقلاب مشروطیت کے مارکسزم کو اپنا آئیڈل بنانا اور طبقاتی کشمکش کے راستے پر چل نکلنا، ان تمام تحریکوں اور تبدیلیوں کا مشترکہ باب اور اہم قدر مشترک تھی۔ درحقیقت مذکورہ انقلابوں کا فریم ورک اور مطمع نظر، اقتصادی مفادات، انسان کے متعلق کسی خاص نظریہ اور مذہب اور معنویت سے پاک حکومتی ڈھانچے کے قیام سے عبارت ہیں جیسا کہ فرانس کے انقلاب کبیر نے ترقی پسند دور میں جدیدیت کے نظریہ کے ذریعہ، انسانی معاشرے اور دنیا کے متعلق نئی بصیرت کا راستہ ہموار کیا جو کہ مغربی آئیڈیالوجی کے قالب میں ظاہر ہوا۔ اس کی بنیاد مادیت پرستی پر استوار ہے۔ سوشلزم نے معاشرتی مساوات کا نعرہ لگا کر مذکورہ تحریکوں میں اپنے ظہور کو ثابت کیا۔ اس کی روح بھی مادہ پرستی اور روحانیت اور معنوی ثمرات کا انکار ہی ہے۔ درحقیقت بیسویں صدی کے انسان نے روحانیت، دینی اور نظریاتی اصولوں کو پس پشت ڈالتے ہوئے، جامع کوششوں کا آغاز کیا تاکہ معاشرہ، تاریخ اور اپنی (انسان کی) بالکل نئی تعریف پیش کر سکے اور اپنے سیاسی نظام کی بنیاد رکھ سکے۔ یہ سب کچھ اس اصول پر ایمان لانے کے بعد ممکن تھا جس میں دین کو اقوام کے لئے تریاق اور انسانی زندگی کے مختلف شعبوں میں

ترقی و مادی خوشحالی کی ضد سمجھا جاتا ہے۔

اسلامی انقلاب کی بیسویں صدی کی آخری دھائیوں یعنی ۱۹۷۹ء میں ظہور پذیری نے اپنی مثال آپ قسم کی خصوصیات کے ذریعے انسان معاشرے اور کائنات کی ایک نئی تعریف پیش کی۔ دوساحتی انسان نے، اپنے معنوی پہلو پر بھروسہ کرتے ہوئے اور رہیافت کا دینی بنیاد پر مبنی سیاست کی تعریف و عملداری پر اصرار کرتے ہوئے طاقت کے استعمال میں اخلاقی اور عرفانی قدروں کو مد نظر رکھ کر دوسری ملینیم کے آخری انقلاب میں عملی کردار کی ایسی بنیاد رکھ دی ہے جس کی ان خصوصیات نے اسے دوسرے انقلابوں اور تحریکوں سے ممتاز بنادیا ہے۔ در حقیقت اگر دنیا کے ہر حصے کے دوسرے انقلابات اپنے مادی رجحانات کے سبب اپنی ماہیت اور روح کو دین و مذہب اور اخلاقی و روحانی اقدار کی نفی میں زندہ محسوس کرتے ہیں اور دین اور دینی اصولوں کا مقصد عوام اور اقوام کی پسماندگی گردانتے ہیں، انسانوں کی آزادی کو مذہب اور مذہبی آداب و رسوم سے دوری کا مرہون منت سمجھتے ہیں تو ان افکار کے مقابلے میں اس صدی کے آخر میں ایسا انقلاب ظہور پزیر ہوا جس کی جڑیں مبدأ وحی اور اس سے برخاستہ اقدار میں ہیں جس نے دین اور اس کی نظریاتی بنیادوں پر تکیہ کیا ہے۔ اس نے مختلف نظریوں کے میدان میں تحریک کی ایک نئی تھیوری پیش کی۔ اس نئی تھیوری کے بانی نے جو اس عظیم عوامی تحریک کی رہنمائی کر رہے تھے دینی ماحول کے بطن سے قیام کیا جو خود ممتاز فقہاء اور دین کے پرور دہ علماء میں سے ایک تھے۔ ایران کے اسلامی انقلاب نے یہ کارنامہ کر دکھایا کہ دین و مذہب اپنے مفہوم میں نہ صرف اقوام کے لیے تریاق نہیں ہے بلکہ انسانی تاریخ سازی اور معاشرے کی اصلاح کے لیے عظیم ترین حد کی توانائی بھی ہے۔

یہاں ایک بنیادی اور اہم سوال بھی ذہن میں ابھرتا ہے وہ یہ کہ ایران کے اسلامی انقلاب کی اس اہم خصوصیت کا راز کیا ہے کیونکہ دینی فکر اور اس کے معنوی ثمرات ایک بار پھر اتنے عظیم طوفان کو برپا کر سکے ہیں کہ جس نے نہ صرف ایران اور عالم اسلام بلکہ تمام عالمی تعلقات اور اس کے دوسرے گوناگوں شعبوں پر گہرے اثرات مرتب کئے ہیں؟

اس سوال کا جواب اس کے دینی فکر اور معنوی تخلیقی ثمرات کے معجز نما کردار میں تلاش کیا

جاسکتا ہے کیونکہ ایران کا اسلامی انقلاب دوسری سیاسی اور اجتماعی تحریکوں کے مقابلے میں ایک تاریخی انقلاب ہے۔ سیاسی تحریکوں کا مقصد فقط طاقتوروں کی اکھاڑ پچھاڑ ہوتی ہے۔ معاشرتی تبدیلیوں کا مطمع نظر متعلقہ انقلابی معاشرے کے تعلقات اور دوسرے سیاسی، معاشی رابطوں میں ردوبدل ہوتا ہے جبکہ تاریخی انقلابوں میں زمان اور مکان کی حدبندیوں سے ماورا انقلابی فکر اور فلسفہ پر زور دیا جاتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ تاریخی انقلابات چونکہ جامع پیغام کے حامل ہوتے ہیں لہٰذا وہ زمان و مکان اور قوم سے ماورا انقلابات کہلائیں گے۔ اسلامی انقلاب کا پیغام حقیقت میں فرانس کے انقلاب کی ضد اور اس کے نتائج کے برعکس ہے یعنی یہ پیغام در حقیقت دینداری، ایمان کی گہرائی، روحانیت، بدعنوانیوں کے دلدل، تباہی و بربادی اور ظلم و ناانصافی سے انسان کی نجات اور آزادی کا پیغام تھا اور یہ پیغام تاریخ کے تمام انسانوں اور نسلوں، سب زمانوں اور تمام مقامات و میدانوں کے لئے ہے۔

امام خمینیؒ فرماتے ہیں:

"میرا مطمع نظر کوئی خاص مقام نہیں ہے، میرا مقصود ظلم کے خلاف جہاد ہے۔ یہ جہاد جہاں پر بہتر طور پر ہو سکے وہاں ہوں گے۔" (صحیفہ نور جلد ۴ صفحہ ۱۱۰)

امام خمینیؒ دینی فکر کے مجدد:

اسلام بھی دوسرے الٰہی ادیان کی طرح ہمیشہ جہالت پسندوں اور ترقی دشمنوں کی طرف سے تحریف و تخریب کا نشانہ رہا ہے اور آئندہ بھی ایسا ہی ہوگا۔ یہ بھی واضح ہے کہ کسی بھی فلسفہ یا سوچ کی طاقت اور ترویج خصوصاً دینی فکر و نظر کی تائید جس طرح اپنی درست سمت اور خالص حالت میں تعمیری بھی ہے اور باعث نجات بھی۔ اسی طرح اپنی تحریف شدہ صورت میں ویسی ہی مہلک اور غلامی کا موجب بھی ہے۔ اسلامی فکر کے میدان میں امام خمینیؒ کی بصیرت اور اس کے دوسروں تک پہنچانے کے عمل سے اسلامی انقلاب کی فکری بنیادوں اور جڑوں کی تعمیر کی گئی۔ امام خمینیؒ کا عقیدہ یہ ہے کہ سیاست دین سے ماخوذ ہے اور جہاد، انقلاب، اصول اور اس کی بنیادیں اسلامی اصول کا اٹوٹ حصہ ہیں۔ امام خمینیؒ کی بصیرت کی رو سے عالمی تسلط اور استکبار کے خلاف جہاد اور اس طرح ظلم و ستم اور بے انصافی کے خلاف

جدوجہد ہر مسلمان کا مذہبی فریضہ ہے۔امام خمینیؒ کی اسلامی تعبیر یہ ہے کہ اسلامی فکر تمام مادی اور معنوی میدانوں میں انسان کی طاقت اور حکمرانی کی ضمانت ہے۔ امام خمینیؒ نے ہمیشہ مسلمان عوام کو خالص اسلام کی طرف لوٹانے کے لئے ہمہ گیر جدوجہد کی ہے۔امام خمینیؒ کے نظریہ کے مطابق خالص اسلام وہ ہے جس میں آگاہی، آزادی، معاشرتی انصاف ہو، اسلام میں ظالموں اور استکبار کے خلاف جہاد کی دعوت عام ہے۔ خالص اسلام یعنی محروموں، مستضعفوں اور پابرہنہ عوام کے اسلام کا امریکی اسلام کے مقابلے میں، جو مستکبرین اور ستمگروں کا اسلام ہے،امام خمینیؒ کے ذریعے احیا ہوا جس کے نتیجے میں اسلام نے نہ صرف ایرانی معاشرے اور عوام کے رگ وپے میں بلکہ اس سے بڑھ کر عالم اسلام میں سرایت کر کے اپنی ماہیت پالی۔ بنیادی طور پر دینی فکر کا احیاء "دین" کو پورے معاشرے میں نافذ کرنے کی کوشش اور معاشرے میں دین کے نفاذ کے علاوہ کچھ بھی نہیں ہے۔ یہی تو دین داروں کی بصیرت اور التزام کا موجب ہے اور زندگی کے مختلف پہلوؤں میں انصاف کا قیام اور ظلم سے انکار کی جانب ایک اجتماعی عوامی تحریک ہے۔

امام خمینیؒ کی بصیرت کے مطابق دین کی ذمہ داری زندگی کے تمام شعبوں میں انسان کی ہدایت اور رہنمائی کرنا ہے۔وہ سیاست کو آلام سے جدا کرنے کو اصلی اور خالص دین کی بربادی قرار دیتے ہیں کیونکہ یہ سوچ دراصل عالمی استکبار، اسلامی ممالک میں ظلم پسند، وابستہ حکومتوں اور مغرب زدہ، نمک خوار اور خود فروش ایجنٹوں سے تشکیل شدہ شرمناک جماعتوں کی طرف سے پھیلائی گئی ہے۔ حضرت امام خمینیؒ اس کے متعلق فرماتے ہیں:

"یہ (جو کہتے ہیں) کہ دیانت (دین) سیاست سے الگ ہو اور علمائے اسلام کو سیاسی اور معاشرتی معاملات میں مداخلت نہیں کرنی چاہئے یہ استعمار گروں نے کہا ہے اور دنیا میں افواہ اڑائی ہے۔ یہ بے دینوں کا مقولہ ہے۔ کیا حضرت پیغمبر اکرمؐ کے زمانے میں سیاست دین سے الگ تھی؟ یہ سب باتیں استعمار گروں اور ان کے سیاسی ایجنٹوں نے گڑھی ہیں۔ تاکہ دین کو دنیوی امور میں مداخلت اور مسلمانوں کے معاشرے کی صف بندی سے روک سکیں اور ساتھ ہی علمائے اسلام کو عوام سے اور آزادی اور خود مختاری کے لیے جہاد کرنے والوں سے الگ کر دیں اور اسی صورت میں عوام پر غلبہ حاصل کر سکتے ہیں اور

ہمارے وسائل کو لوٹ سکتے ہیں۔ان کا مقصد یہی ہے۔" (ولایت فقیہ صفحہ ۱۶)

مختصر یہ کہ امام خمینیؒ کی سیاسی بصیرت دین سے الگ ہر گز نہیں ہے۔ان کے افکار میں دین کا ایک خاص اور اہم مقام ہے۔دنیوی واخرویسعادت، ظاہری، باطنی، مادی اور معنوی احکام کا سرچشمہ دین ہی ہے اور مجموعی طور پر دین کی ذمہ داری ہر اس چیز کا بیان ہے جو انسان کی سعادت سے متعلق ہو۔

دوسری طرف جس اسلام کے مبلغ امام خمینیؒ ہیں وہ ایسا دین ہے جو زندگی اور اجتماعی میدانوں میں عام لوگوں میں دنیا کے معاملات کو معقول اور خردمندانہ طریقے سے چلانے کی اہلیت ثابت کرے اور قابل محسوس مفادات کی حفاظت اور لوگوں کے محاسبے کی طاقت رکھتا ہو۔اسی لیے امام خمینیؒ ایک آگاہ اور زمانہ شناس مفکر کی حیثیت سے ہر قسم کی کج فکری اور کجروی کو باطل گردانتے اور اسے دین کی سیاسی اور اجتماعی میدانوں میں پرورش اور ترویج میں مخل سمجھتے تھے۔انہوں نے مایہ دار اجتہاد کی بنیاد رکھی جس کے پرتو میں زمان و مکان کے عناصر اور عینی حالات و واقعات کی شناخت کے حوالے سے درپیش مسائل کو حل کرنے میں رہنمائی ملتی ہے۔

امام خمینیؒ نے دین کو ایک زندہ اور نجات دھندہ نظام کے طور پر پیش کیا، ایسا دین جو انصاف، آزادی، استقلال اور خود ارادیت کی دعوت دیتا ہے نہ کہ ان کے خلاف۔امام خمینیؒ اس اسلام کی بات کرتے ہیں کہ جو عوام کے بنیادی حقوق کا پاسدار، انسانی تکریم کا محافظ اور آزادی و معاشرتی انصاف کا حامی ہے اور یہ بذات خود معاشرتی، سیاسی میدان میں اسلام کی سب سے زیادہ دلپذیر خصوصیت شمار ہوتی ہے کہ انسان کے فطری حقوق سے مقابلے کے بجائے، ان سب کا محافظ و داعی ہے۔امام اس کے متعلق فرماتے ہیں:

"مطمئن رہیے جو کچھ بھی معاشرے کے حق میں ہے، انصاف کا قیام، ظالم ہاتھوں کا توڑنا، خود مختاری اور آزادی کی ضمانت، اقتصادی نشوونما اور دولت کی معقول، قابل قبول تقسیم وغیرہ یہ سب کچھ مکمل طور پر اسلام میں موجود ہے اور کسی غیر منطقی تاویل کی محتاج نہیں ہے۔

(۳۔ صحیفہ نور، جلد ۲ صفحہ ۱۸)

امام خمینیؒ اسلامی وحدت کا سچا نقیب:

حضرت امام خمینیؒ دینی فکر کے مقاصد اور ارمانوں کی ترویج اور عملی تصویر کے لیے ایمان اور عقیدہ پر مبنی "وحدت" اور "جہاد" کا واضح عقیدہ رکھتے تھے۔ "وحدت" مختلف میدانوں کے لیے، خصوصی طور پر عالم اسلام کی وحدت اور "جہاد" خصوصی طور پر عالمی تسلط پر مبنی نظام کے خلاف، اگرچہ ایران کے اسلامی انقلاب پر مکتب تشیع کی گہری چھاپ تھی اور اس انقلاب کے اصلی جوہر اسی مکتب کے پرتو میں شکل پذیر ہوئے لیکن یہ انقلاب کبھی بھی صرف شیعہ مذہب کے لیے نمونہ نہیں بنا بلکہ دشمنوں کی طرف سے تمامتر کوششوں اور سازشوں کے باوجود اس عظیم تحریک کی لہروں نے پورے عالم اسلام کو اپنی لپیٹ میں لے لیا اور پوری دنیا کے مسلمانوں کے دلوں کو اپنی طرف متوجہ کیا کیونکہ یہ انقلاب اسلامی ہے اور اسلام جیسے جان افزا مکتب کے ذریعے پرورش پا رہا ہے۔

امام خمینیؒ اپنی بار بار کی تقاریر میں کامیابی اور آزادی کے لیے وحدت و اتحاد اور بھائی چارے کی اہمیت پر زور دیتے رہے ہیں خصوصاً استکبار اور غیر ملکی تسلط پسندوں اور اسی طرح اندرونی لٹیروں اور ظالموں سے نجات کے لیے اتحاد اور بھائی چارہ ضروری ہے۔ آپ فرماتے ہیں:

"اگر مسلمان اسلامی احکام پر عمل کریں، اتحاد کی روح کو برقرار رکھیں اور اختلافات اور تنازعہ سے ہاتھ کھینچ لیں جو کہ ان کی شکست کی اصل وجہ ہیں تو لا الہ الا اللہ کے پرچم کے سائے میں اسلام دشمنوں اور عالمی غارتگروں کے ہاتھوں سے محفوظ ہو جائیں گے مشرق و مغرب کا اثر و رسوخ اپنے عزیز ممالک سے ختم کر دیں گے کیونکہ ان کی تعداد بھی سب سے زیادہ اور وسائل بھی نہ ختم ہونے والے ہیں اور سب سے اہم بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی غیر متناہی طاقت ان کی نصرت کے لیے موجود ہے اور سپر طاقتیں ان کی محتاج ہیں" (تبیان وحدت ص ۲۰۰)

امام خمینیؒ کا نظریہ وحدت وسیع مفہوم کا حامل ہے۔ مجموعی طور پر تمام مسلمانوں یا مستضعفین کا دین کے جامع مقاصد اور ترقی و کمال کے حصول کے لیے متحد ہونا، جس کے مختلف پہلو ہو سکتے ہیں ان میں سے سب اہم عالمی استکبار کے خلاف اسلامی امت کا اتحاد ہے جو کہ مسلمان معاشروں

کے مشترکہ اصولوں، مقاصد اور ایک جیسے ارمانوں پر توجہ دینے ہی کی صورت میں وقوع پذیر ہوگا۔

امام خمینیؒ کے نقطہ نظر میں اسلامی جدوجہد کی کامیابی کا انحصار اس بات پر ہے کہ تمام طبقے اس کے دو اہم ارکان یعنی اسلام اور وحدت پر پابند ہو کر یک زبان ہو جائیں۔ لازمی طور پر حضرت امام خمینیؒ کے پیش نظر ان دو اہم عوامل کا وہ کردار بھی ہے جس کے سبب امت اسلامی کی نجات اور خوشحالی بھی حاصل ہو۔ آپ فرماتے ہیں:

"اگر مسلمان چاہتے ہیں کہ صدر اسلام والی عزت اور عظمت پھر سے حاصل کرلیں تو انہیں اسلام اور اتحاد پر کاربند ہونا چاہئے۔ یہ اسلام کے محور پر وہ اتحاد تھا جس نے مافوق الفطرت طاقت اور شجاعت کی ایجاد کی۔" (صحیفہ نور ج ۸ ص ۲۳۰)

امام خمینیؒ کے کلام سے یہ واضح ہے کہ امت اسلامی میں مذہبی اختلاف کو مدنظر رکھتے ہوئے اتحاد کا تقاضا، عقائد اور مذہب میں اتحاد نہیں ہے بلکہ ان کی اصل مراد امت اسلامی کا سیاسی اتحاد ہے جو دین کے مجموعی اصولوں اور مسالک کے مشترکات پر عمل پیرا ہو کر حاصل کیا جائے۔

دوسرا اہم نکتہ جسے امام کی تھیوری اور عملی مکتب میں خاص اہمیت حاصل ہے وہ یہ ہے کہ اسلامی انقلاب کے سیاسی مقاصد کے حصول کے لیے اتحاد ایک تاکیدیا مصلحتی ہتھیار نہ تھا بلکہ اس عظیم شخصیت کی تاکید، وحدت واتحاد کے تمام مذہبی ودینی مفاہیم پر تھی کیونکہ وہ اسلامی امت اور معاشرے کو ہر قسم کے اختلافات سے محفوظ رکھنے کو ایک شرعی اور الٰہی ذمہ داری تصور کرتے تھے۔

ظلم اور ناانصافی استحصال اور امتیازی سلوک کے خلاف جہاد ان اہم ترین مدارج میں سے ایک ہے جسے امام خمینی نے تمام دنیا میں اور خصوصی طور پر عالم اسلام میں پھیلانے کا بیڑا اٹھایا۔ یہی وجہ ہے کہ انہوں نے اپنی پوری توانائی عالمی ظالمانہ نظام اور تسلط پسند نظام کے جامع نیٹ ورک کی ماہیت اور اصلیت کو بے نقاب کرنے میں صرف کی اور ان شرمناک اور شیطانی سازشوں کو فاش کر دیا جو ماضی اور حال میں ستمگر ظالموں کی طرف سے مظلوم اور مستضعف اقوام پر روا رکھے گئے۔ اس سلسلے میں آپ فرماتے ہیں:

"ظالم کی حمایت، مظلوموں پر ظلم کی طرح ہے۔ سپر طاقتوں کی حمایت انسانیت پر ظلم ہے۔

جو ہم سے یہ مطالبہ کرتے ہیں

کہ ہم ان کی حمایت کریں، وہ یا تو جاہل ہیں یا پھر ایجنٹ! ظالم کی حمایت یعنی اس کا مزید ظلم و ستم کے لیے ہاتھ بٹانا تمام انبیاء کی تعلیمات کے خلاف ہے۔" (صحیفہ نور جلد ۱۹ صفحہ ۱۔۲۰)

امام خمینیؒ اچھی طرح جان چکے تھے کہ عالمی استکبار نے ایک وسیع اور جامع نیٹ ورک کے ذریعے پوری دنیا کو اپنی لپیٹ میں لے رکھا ہے۔ اس قدر وسیع کہ گویا مستضعفین اور محروم اقوام کے لیے یہ باور کرنا کہ وہ ان کے تسلط سے نجات پا سکتے ہیں نہایت مشکل اور دشوار ہو گیا ہے۔ غلام اور مستضعف عوام نے گویا بے انصافی اور غلامی کو اپنا حتمی مقدر سمجھ رکھا ہے اور گویا تسلط پسند عالمی طاقتوں کی غلامی کو اپنی اور اپنے معاشرتے کی بقاء اور زندگی کے لئے اہم ضرورت کے طور پر قبول کر لیا ہے۔ امام جانتے تھے کہ سب سے پہلے محروم اقوام کو ہوش میں لانا چاہئے اور انہیں شدید مایوسی کے دلدل سے نجات دلانا چاہیے اور یہ چیز صرف تسلط پسند نظام کی تحقیر کے ذریعے ہی ممکن ہے۔ ضروری ہے کہ مستضعفین اور عالم اسلام کو یہ دکھایا جائے کہ نہ صرف تسلط پسندوں کے آگے ہتھیار ڈالنا آخری حربہ نہیں بلکہ تسلط پسندانہ نظام مکمل طور پر تسخیر پذیر ہے۔ لہٰذا امام خمینیؒ نے اپنی تحریک کے آغاز ہی سے امریکہ اور سپر طاقتوں کے دوسرے نیٹ ورک کے خلاف آواز بلند کی اور بار بار اپنے اہداف و مقاصد کو واضح طور پر بیان کیا۔ امام نے اس جہاد میں مظلوم اقوام خصوصاً مسلمانوں کو یہ سبق دیا کہ محرموں کی نجات اور آزادی کا راستہ صرف مستکبرین اور تسلط پسند استکبار کے خلاف جہاد ہی سے میسر ہے۔ لہٰذا امام خمینیؒ نے مظلوموں اور مستضعفین کو اپنے پامال شدہ حقوق کے لیے بیدار کیا اور نہیں اپنی قومی اور اسلامی حیثیت کی حفاظت کی دعوت دی۔ امامؒ فرماتے ہیں:

"میرے عزیز بھائیو اور بہنو! آپ جس ملک میں بھی ہوں اپنی قومی اور اسلامی حیثیت کی حفاظت کریں۔

ہمارے تمام مادی اور معنوی مفادات تو سپر طاقتیں لے جاتی ہیں اور ہمیں غربت اور سیاسی، اقتصادی، ثقافتی اور دفاعی وابستگی اور غلامی میں مبتلا کر دیتی ہیں۔ ہوش میں آیئے اور اپنے اسلامی تشخص کا ادراک کیجئے ظلم کے آگے سر تسلیم خم نہ کریں اور پورے اعتماد کے ساتھ عالمی لٹیروں، جن میں

امریکہ سر فہرست ہے، کی سازشوں کا پردہ چاک کردیں۔" (صحیفہ نور جلد ۱۹ صفحہ ۲۲۶)

اور دوسری طرف امامؒ نے مسلمان اور مظلوم اقوام کے درمیان جہاد و شہادت طلبی کے کلچر کو فروغ دیا اور یہ باور کرایا کہ ظلم اور ظالم کے خلاف ڈٹ جائیں اپنے پامال شدہ حقوق کو حاصل کریں۔ آپ فرماتے ہیں:

"میں نے اپنی ناچیز جان اور خون اسی حکم کے نفاذ کے لیے اور مسلمانوں کی حفاظت جیسے مقدس فرض کی خاطر تیار کرلی ہے اور میں شہادت جیسے عظیم مرتبے پر فائز ہونے کے انتظار میں ہوں۔ طاقتیں، سپر طاقتیں اور ان کے ایجنٹ اطمینان رکھیں کہ اگر خمینی اکیلا بھی رہ جائے تب بھی اپنے مشن کو جو کہ کفر، ظلم، شرک اور بت پرستی کے خلاف جہاد ہے، جاری رکھے گا۔ (صحیفہ نور جلد ۲۰ صفحہ ۱۱۳)

عالمی تسلط پسندانہ نیٹ ورک کے خلاف جہاد کے متعلق امام خمینی کے غیر متزلزل ٹھوس موقف نے ایک طرف تو دنیا پر چھائے ہوئے ناپسندیدہ نظام کے محافظوں اور تسلط پسند حکمرانوں کی روح و جان پر خوف و ہراس طاری کردیا تھا اور دوسری طرف مستضعفین اور تاریخ کے تحقیر شدہ لوگوں کے افسردہ دلوں کو ایمان، آزادی اور فتح اور کامرانی کی امید کی کرن سے منور کردیا تھا اور یہی وہ چیز ہے جو امام خمینی کی شخصیت کے جاذبہ و دافعہ کی معیار قرار پائی۔ عالمی تسلط پسندانہ نظام نے اپنی پوری طاقت، اقتدار کا رعب اپنے تمام وسائل اور ہتھیاروں کو استعمال میں لاتے ہوئے امام خمینیؒ کے افکار اور ارمانوں کی تحریف و تخریب کے لیے کمر باندھ لی۔ دوسری طرف حق طلبی، ارمان پسندی استکبار اور ظلم سے رہائی اور حقیقی خود مختاری اور آزادی حاصل کرنے کی زبردست لہر دنیا کے اکثر مقامات پر مستضعفین اور محرومین کے جان و قلب اور ضمیروں میں موجزن ہوگئی۔ مسلمانوں نے اپنا انسانی اور اسلامی تشخص ڈھونڈ لیا اور آزادی اور خود مختاری کے راز کو پالیا اور یہ باور کرلیا کہ یہ نعمتیں ایمان اور اسلام اور اسلامی اخلاق پر پابندی ہی کی مرہون منت ہیں اور اسی میں انہیں تلاش کیا جانا چاہئے اور تب ہر اس چیز کے خلاف جہاد کے لیے تیار ہوئے جو کہ انسان کی عظمت ترقی اور انسانی اقدار کی سربلندی کے خلاف ہوں اور اس راستے میں کسی قسم کے خوف و ہراس کو اپنے دل میں جگہ نہ دی اور اسی وقت سے مغرب استکباری کلچر کے محافظ کے طور پر اپنی تمام تر کوششوں اور طاقت کے ذریعے اسلام کے مقابلے پر آ کھڑا ہوا ہے اور اسلام اور مسلمانوں کو اپنا اصلی دشمن قرار دینے لگا ہے لیکن مسلمان اقوام نے اپنے امام سے یہ سبق

اچھی طرح سیکھ لیا ہے کہ ایمان، اتحاد اور جذبہ قربانی کے ذریعے، استکبار اور ظلم کی بلند و بالا عمارت کو تباہ کر کے اس کے کھنڈرات پر آزادی اور معاشرتی انصاف کی عمارت نو کو تعمیر کیا جاسکتا ہے۔ اب ہم امام خمینیؒ کے فقہی اور عرفانی نظریات کے حوالے سے اپنی گفتگو کو آگے بڑھائیں گے جو اس عظیم اسلامی انقلاب کے لیے بنیادیں فراہم کرتے ہیں۔

انقلاب اسلامی کی فقہی بنیادیں

ہمارے اسلامی انقلاب کو جس زاویہ نگاہ سے بھی دیکھا جائے، یہ خالص اسلامی انقلاب ہے، اسلام پرستی اور اسلامی اقدار پر بھروسہ اس کے اہم ارکان ہیں، ہمارا انقلاب اپنی منفرد قیادت کی بدولت اہلبیت رسولؐ کی فقہ پر مبنی ہے، یہ انقلاب در حقیقت ایک ایسا انقلاب ہے جس کی بنیاد شیعہ مکتبہ فکر کی فقہ اور علم کلام پر قائم ہے میرے لیے اپنے اساتید اور دوسرے بزرگ دانشوروں کے سامنے فقہ کی بحث کرنا کافی دشوار کام ہے، لیکن میں محسوس کرتا ہوں کہ ایک علمی کانفرنس ہونے کے ناطے شایان شان یہ ہے کہ یہاں پر بجائے ظاہری اور سطحی قسم کے مسائل کے، اس میں گہری نظروں سے انقلاب کے بنیادی مسائل اور اس کی اساسی بنیادوں پر بحث کی جائے۔

انیسویں صدی کے آخر یا بیسویں صدی کے اوائل میں وفات پانے والے جناب علامہ مرحوم آخوند خراسانی نے اصول فقہ میں گرانقدر کتاب "کتاب الاصول" تحریر فرمائی وہ شیعہ فقہ کے اصولوں کے اہم ترین علماء میں سے ایک ہیں۔ وہ مرحوم شیخ انصاریؒ کے شاگردوں میں سے ہیں جنہیں علم اصول فقہ کے بانیوں اور علم اصول میں جدید روایات کا موجد تصور کیا جاتا ہے۔ اس کے علاوہ مرحوم میرزا شیرازی کے بھی شاگرد ہیں جنہوں نے تاریخی فتویٰ دے کر ایران انگلستان کے درمیان تاریخی معاہدے کو توڑ دیا تھا۔ مرحوم آخوند خراسانی نے ایک ایسی اصطلاح استعمال کی جس نے بعد میں علم اصول پر گہرے اثرات مرتب کیے ہیں۔ وہ حکم کی چار اقسام بیان فرماتے ہیں:

اقتضادی حکم، انشائی حکم، فقہی حکم اور تنجزی حکم۔ اقتضائی حکم یعنی حکم کی ضرورت اور وجہ سے عبارت ہے۔ اس کی مثال یوں ہوگی کہ نماز الٰہی احکام میں سے ایک ہے، جس میں ایک خاص

مصلحت اور وجہ پوشیدہ ہے جسے نماز کا حکم اقتضائی کہتے ہیں۔ یہ مصلحت یا وجہ در حقیقت مذہب شیعہ کے اس عقیدے کو ثابت کرتا ہے کہ تمام احکام کسی مصلحت یا وجہ کی بنیاد پر قائم ہیں۔ اس بات کو یوں بھی بیان کیا جاسکتا ہے کہ جو بھی حکم خداوند سبحان کی طرف سے اپنے بندوں پر فرض کیا جاتا ہے، اس اقتضائی حکم کی بدولت اس میں ایک ذاتی مصلحت پوشیدہ ہوتی ہے اور اگر کسی کام سے منع کیا گیا ہو تو اس اقتضائی حکم کی وجہ سے اس میں کوئی مفسدہ ہوتا ہے۔

دوسری قسم انشائی حکم ہے جس کا اطلاق اس وقت ہوتا ہے جب مولا اپنے بندے کو اس مصلحت یا مفسدہ کی وجہ سے انشائی طور پر کسی کام کے کرنے یا نہ کرنے کے لیے کہتا ہے۔ ایسا کرو، یہ نہ کرو وغیرہ۔

تیسری قسم فقہی حکم ہے۔ فقہی حکم وہ ہے کہ جو بندے پر فقہیت طاری کرتا ہے، جب مولا اپنے بندے سے کسی کام کے کرنے پر اصرار کرتا ہے، یہ حکم بندے پر فقہیت طاری کرتا ہے، تب وہ بندہ حقیقی طور پر اس کام کے کرنے کا پابند ہو جاتا ہے۔

چوتھی قسم تنجزی حکم ہے۔

جب بندہ حکم کے متعلق جان جاتا ہے اسی وقت اس پر لازم آجاتا ہے کہ اس کو بجالائے۔

یہ تقسیم بندی مختلف نظریات میں شدید اختلاف کا باعث بنی ہے۔ مرحوم آخوند میرزا خراسانی مرحوم نائینی، مرحوم آقا ضیاء عراقی، مرحوم ابوالحسن اصفہانی، مرحوم روحانی اور مرحوم اصفہانی کے ممتاز شاگردوں نے اس موضوع پر بہت بحث کی ہے۔ بعض اس کے حامی ہیں اور بعض دوسروں نے اختلاف کیا ہے۔ خود مرحوم امام خمینی نے اپنے علمی آثار میں اس سے اختلاف کیا ہے۔ اس مسئلے پر وسیع سطح پر علماء اور فقہاء کے درمیان بحث و مباحثے کے باوجود، اس تقسیم بندی کی بنیاد پر شیعہ علم اصول میں گہرے اثرات وقوع پذیر ہوئے ہیں۔ ہم اس گفتگو کے صحیح یا غلط ہونے کی بحث میں پڑے بغیر یا دوسرے بزرگ علماء کی رائے نقل کیے بغیر جو گہرے اثرات اس تقسیم بندی کی وجہ سے وقوع پذیر ہوئے ہیں ان کی طرف اشارہ کرتے ہیں البتہ خود امام خمینیؒ نے اس سے اختلاف کیا ہے۔

جیسا کہ بیان کیا گیا یہ حکم تیسرے مرحلے میں واقع ہوتا ہے اور حکم کے لیے تنجز شرط ہے

یعنی حکم بندے کے حق میں فعلیت پیدا کرے (واقع) ہو جائے، اگر بندہ (عبد) اس حکم کو جان سکے، اس تکلیف کا شعور حاصل کرے، اس صورت میں حکم اس کے لیے منجز ہو گا، یعنی اس کے اطاعت کرنے پر ثواب اور انجام نہ دینے پر عذاب ہو گا۔ عبد کی مذکورہ ذمہ داری پر شعور و آگاہی حاصل کرنے کے بعد وہ حکم اس کے لئے منجز ہو جاتا ہے۔

علماء کی زبان میں کہتے: تنجز ہی درحقیقت تکلیف (ذمہ داری) ہے، اس کا فائدہ ہمیں جاہل اور عالم پر کسی حکم کے اطلاق کے وقت حاصل ہوتا ہے کیونکہ احکام جاہل اور عالم کے لئے مشترکہ ہیں۔ جیسا کہ عالم کا عمل کرنا ضروری ہے۔ اسی طرح جاہل کے لیے بھی تکلیف (ذمہ داری) پر عمل ضروری ہے لیکن جاہل اور عالم کے مابین فرق حکم کے منجز ہونے کے شعور کا ہے۔ عالم حکم کے منجز ہونے کا ادراک رکھتا ہے۔، لیکن جاہل ماسوائے اس کے کہ فعل کے بجالانے کے بارے میں آگاہ ہے اور کچھ نہیں جانتا۔ اس بحث کا نہایت دلچسپ نتیجہ حاصل ہوتا ہے۔ مثال کے طور پر جو شخص شعور نہیں رکھتا کہ آیا تکلیف (حکم) کے بارے میں علم حاصل کر سکتا ہے یا نہیں، فرض کرتے ہیں: وہ یہ جانتا ہے کہ اس سیب کے متعلق کوئی حکم ہوا ہے مگر یہ نہیں جانتا کہ وہ حکم واجب ہے یا حرام۔ وہ فقط یہ جانتا ہے کہ سیب کے متعلق ایک حکم ہے، لیکن یہ بھی نہیں جانتا کہ اگر اس حکم کی تحقیق کے لیے کوشش کرے تو اس تک پہنچ سکتا ہے یا نہیں، اس وقت جاہل اور عالم دونوں پر اس کا اطلاق فعلیت کی بنیاد پر ہو گا اور دونوں اس حکم میں برابر ہیں۔ ایک ایسے شخص کے لیے جو کہ مذکورہ نوعیت کے شک میں مبتلا ہو چکا ہو، حکم یہ ہے کہ احتیاط بجالائے۔ جہاں تک کوشش کر سکتا ہو، تحقیق کرے اور اس حکم میں موجود مصلحت یا مفسدے کو تلاش کرے۔

طالب علموں (علماء) کی اصطلاح میں کہتے ہیں کہ اشتغال یقینی کے لیے برأت یقینی ضروری ہے۔ ایسا شخص جانتا ہے کہ اس کا فرض ایک فعل کو انجام لانے کے لیے اشتغال ہے لیکن اس میں اہم بات یہ ہے کہ کیا وہ اس حکم سے یہ آگاہی اور شعور بھی حاصل کر سکتا ہے کہ تنجز حاصل کرنا یا نہ کرنا بھی اس کے لیے مقدور ہے؟ اس کے نتیجے کے طور پر عقل، حکم کے اندر موجود فطرت (مفسدہ یا مصلحت جو اس کا فکری مظہر ہے) کی بنیاد پر اشتغال یقینی حاصل کر لیتا ہے یعنی اس کا فرض اور ذمہ داری اشتغال

ہے۔اس پر فرض یقینی ہوتا ہے مگر آیا وہ نجات یافتہ ہے یا نہیں اور آیا فرض پورا کر دیا یا نہیں؟ اس سلسلے میں اسے احتیاط کرنی چاہیے، اس بحث میں یہ پہلا بیان تھا۔اس وسیع موضوع کے بارے میں بہت کچھ لکھا اور کہا جا چکا ہے۔مرحوم الحاج محمد اصفہانی نے اصول فقہ کے موضوع پر تفصیلی بحث لکھی ہے۔میں نے یہاں پر اپنی اصل گفتگو کے لیے ایک مقدمہ کے طور پر اشارہ کیا ہے۔

اور اب قدرت کا کیا حکم ہے؟ کیا قدرت (توانائی وصلاحیت) شرط ہے کہ حکم کے لیے؟ فقہا کا اس بات پر تقریباً اتفاق ہے کہ قدرت (انجام دینے کی صلاحیت) فعلیت کے لیے بنیادی شرط ہے، اس طرح کہ اگر عبد میں صلاحیت ہی نہیں ہے تو اس سے فعل انجام دینا بھی بعید ہے۔اس بنیاد پر کہتے ہیں کہ احکام صرف قادرین اور اس کے انجام دینے والوں ہی کے لیے ہیں۔ہم یوں کہہ سکتے ہیں کہ اگر خداوند متعال حکم فرماتا ہے تو اقتضائی مرحلے پر قادر اور عاجز دونوں کے لیے ہے۔انشائی مرحلے پر بھی دونوں برابر ہیں۔لیکن فعلیت کے مرحلہ پر عاجز مستثنیٰ ہے اور صرف قادر مامور کا طبعی طور پر تنجز کے مرحلہ پر بھی قادر ہونا ضروری ہے اور تنجز مخصوص ہے قادرین کے لیے، تمام فقہا صلاحیت اور قدرت کو تکلیف اور حکم کے انجام بجالانے کی شرط سے قرار دیتے ہیں۔

انقلاب اسلامی اور امام خمینیؒ کے فقہی نظریات:

یہاں پر امام خمینیؒ اختلاف کرتے ہوئے اس بارے میں وضاحت کرتے ہیں کہ کیسے عجیب وغریب اور حیرت انگیز اثرات اس اصولی بحث کی بنیاد پر ہمارے انقلاب پر اثر انداز ہوئے ہیں۔امام خمینی فرماتے ہیں کہ قدرت تنجز کی شرط ہے، فعلیت کی نہیں۔اس طرح ان کا نظریہ یہ ہے کہ تمام احکام فعلیت کے مرحلے میں قادرین اور عاجزین کے درمیان برابر ہیں۔حکم کی کلیت اور جامعیت میں قادر اور عاجز کے مابین کوئی فرق نہیں ہے جبکہ قادر اور عاجز کے مابین اصل فرق کا مقام تنجز ہے، تنجز قادر پر عاید ہوتا ہے۔اگر ایک قادر اور باصلاحیت فرد حکم کو انجام نہ دے تو اس پر عذاب ہوگا۔لیکن عاجز کے بارے میں تنجز کی تکلیف ساقط ہے۔لہٰذا اگر انجام نہ دے تو ملال ہوتا ہے، علماء کہتے ہیں عجز مانع ہے، قدرت کا شرط ہونا نہیں۔امام خمینی کا نظریہ یہ ہے کہ وہ قدرت وصلاحیت کو تنجزی کی بنیادی شرط قرار

دیتے ہیں۔ جبکہ فقہا کی اکثریت حکم کی فعلیت کے لیے قدرت کو شرط مانتے ہیں۔ مرحوم امام خمینیؒ نے اپنی کتاب منہاج میں، مرحوم آقا صبحانی نے "الاصول" میں ذکر کیا ہے۔ اسی طرح آقای فاضل لنکرانی نے اپنی حالیہ کتاب "معتمد الاصول" میں مفصل بحث کی ہے۔

یہ ایسی بات ہے جس کی تصریح حضرت امام خمینیؒ کے علاوہ ان کے مقلدین نے بھی کی ہے۔ البتہ اس کی طرف اشارہ کروں گا۔ جو بحث یہاں ہوئی ہے وہ بزرگ علماء کا موقف ہے۔ ان کا نظریہ یہ ہے کہ قدرت، فعلیت کی شرط ہے اور جو دلیل حضرت امام خمینی نے دی ہے یا جو ان کی رائے ہے وہ یہاں نقل کرتا ہوں۔

پس فرق یہ ہوا کہ امام خمینی قدرت کو تنجز کی شرط مانتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ عاجز اور قادر کے لحاظ سے تمام احکام بالفصل مشترکہ اور برابر ہیں لیکن دوسرے فقہا قدرت کو فعلیت کی شرط مانتے ہیں۔

اس کا نتیجہ اور حاصل وہاں ظاہر ہوتا ہے کہ اگر عبد نہیں جانتا کہ کسی کام کے کرنے یا نہ کرنے کی قدرت رکھتا ہے یا نہیں پس جو حضرات قدرت کو فعلیت کی شرط قرار دیتے ہیں ان کے لحاظ سے اصل شک تکلیف میں ظاہر ہوتا ہے وہ یہی نہیں جانتے کہ ان پر کوئی حکم لاگو ہوا ہے یا نہیں؟ یہاں پر برأت (اصل) ہے پس ایسی صورت میں ان پر کوئی حکم لاگو نہیں ہوگا۔ لیکن امام خمینی کے نظریہ کے مطابق ایسی صورت میں احتیاط کرنا چاہیے کیونکہ اصل تکلیف اور حکم اس پر موجود ہے۔ فرق صرف اتنا ہے کہ وہ یہ نہیں جانتا کہ آیا کوئی مانع موجود ہے یا نہیں اور علماء کی اصطلاح میں آیا عذاب سے بچاؤ کا کوئی راستہ ہے یا نہیں۔ یہاں پر اشتغال ضروری ہو جاتا ہے کیونکہ یہاں مومن پر احتیاط ضروری ہے اور اشتغال لازمی ہے۔ یہ وہی بات ہے جو علم کلام کے علماء کہتے ہیں۔

فرق یہاں ظاہر ہوتا ہے کہ جب قدرت رکھنے یا نہ رکھنے پر شک ہو جائے، تو دوسروں کے نظریہ کے مطابق اس پر حکم لاگو ہے اور اسے چاہیے کہ اس قدر کوشش بروئے کار لائے کہ یہ علم ثابت ہو سکے کہ اس کام کی طاقت و قدرت اس میں موجود نہیں ہے۔ یہاں تک کہ حقیقت میں اس نتیجے پر پہنچ جائے کہ کسی قسم کی قدرت و طاقت موجود نہیں ہے۔ یہاں ہم ساٹھ کی دہائی کے اوائل کے دور پر نگاہ ڈوراتے ہیں۔ جب انقلاب اسلامی کا آغاز ہوا چاہتا ہے۔ اصول تو یہی ہے کہ ظلم کے خلاف مبارزہ

واجب لیکن علماء اور دوسرے عظیم فقہا کو یہ معلوم نہیں ہے کہ قدرت رکھتے ہیں یا نہیں وہ برأت کا حکم دیتے ہوئے مبارزہ نہیں کرتے ہیں۔ اسلامی انقلاب کی جڑیں شیعہ اصول فقہ کے اندر ہیں۔ امام خمینی کی حرکات و سکنات ایک کامل فقیہ والی ہیں۔ ایک ایسے فرد کی طرح جس کے پاس ایک بنیاد ہے۔ بہت ہی قیمتی متاع ہے اور وہ ہے ظلم کے خلاف مبارزہ! امر بہ معروف و نہی عن المنکر۔ اس مرحلے پر یہ میری اور آپ سب کی ذمہ داری ہے، ہمیں یہ حکم ہے کہ امر بہ معروف اور نہی عن المنکر پر عمل کریں لیکن مشکل یہ ہے کہ ہمیں معلوم نہیں ہے کہ قدرت رکھتے ہیں یا نہیں، اس صورت میں جو حضرات قدرت کو فعلیت کی شرط قرار دیتے ہیں ان کے نظریہ کے لحاظ سے ہمیں کیا کرنا ہوگا؟

یہاں برأت کا اصول جاری ہوگا۔ دوسرے لفظوں میں حکم ساقط ہوگا کیونکہ بقول ان کے ہمیں قدرت کا علم ہی نہیں ہے۔

امام خمینی کے نظریے کے لحاظ سے قدرت تکلیف اور حکم کے تنجز کی شرط ہے، دوسرے الفاظ میں ہمیں احتیاط کرنا ہے۔ ہمیں یہاں کوشش کرنی ہے جب تک یقین حاصل ہو جائے کہ ہم ایسا نہیں کر سکتے۔ جنگ کی مثال بھی ایسی ہی ہے۔ ہماری ذمہ داری جنگ کرنا ہوتی ہے۔ ہمیں معلوم نہیں ہوتا کہ جنگ کرنے پر قادر نہیں اور یہ اس بات کی دلیل نہیں کہ ہمیں عذاب کے خلاف پناہ تلاش کرنی چاہئے اور اللہ تعالیٰ کے حکم کے خلاف اپنے لیے کوئی راستہ یا پناہ بناتے رہیں۔

شیعہ اصول فقہ کی ایک ضروری بحث جو کہ "ضد" کی مباحث میں ہمیشہ در پیش رہتی ہے، وہ بحث اقتضاء ہے۔

"ضد" کی بحث جو کہ اصول فقہ کی اہم مباحث میں سے ہے اور اسے اہمیت دی جاتی ہے، ایک فقیہ کی زندگی پر کس قدر عظیم اور گہرے اثرات مرتب کرتی ہے، ایک معاشرے پر کتنے انمٹ نقوش چھوڑتی ہے اس کا اندازہ اس مختصر سی بحث میں آپ کو ہوا ہوگا۔

امام خمینی احکام کے مراحل کی بحث میں فرماتے ہیں کہ احکام کے دو مرحلے ہیں۔ اسی طرح آپ دوسری مثالوں میں بھی بات کو آگے بڑھا سکتے ہیں۔ ایک ایسا لڑکا جو اپنے جسم کے ساتھ بم باندھ کر دشمن کے ٹینک کے آگے لیٹ جاتا ہے چونکہ دشمن کے ساتھ مبارزہ واجب ہے لیکن اسے تو

صرف یہی معلوم ہے کہ دشمن سے مبارزہ کرنا ہے، وہ نہیں جانتا کہ طاقت بھی رکھتا ہے یا نہیں۔ اسے ہر حال میں کام کرنا ہے اس کے دوسرے مضمرات بھی ہیں۔ اگر کبھی مسائل اس طرح پیش آئیں کہ قدرت پر شک ہونے لگے، تب امام خمینی کے فتویٰ کے مطابق ہمیں آخری سانس تک آگے جانا چاہئے۔ انقلاب کے آغاز سے جنگ کے اختتام تک آپ امام خمینیؒ کے ان نظریات کو معاشرتی امور میں حکم فرمایا ئیں گے لیکن دوسرے فقہا کے نظریہ کے مطابق ہمیں ابتداء ہی میں شک ہو جاتا ہے اور ہمیں اصل حکم میں تامل ہوتا ہے لہٰذا برأت کا اصول جاری کر کے ہم اس ذمہ داری سے بری الذمہ ہو جاتے ہیں۔

اسلامی انقلاب اور امام خمینیؒ کا عرفانی تصور کائنات

اب ہم انقلاب اسلامی کے حوالے سے امام خمینیؒ کے عرفانی نظریات کا مختصر جائزہ لیں گے۔

انسانی تاریخ میں معروف اور ممتاز چہروں کو تین گروہوں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے۔

i) سلاطین ii) حکماء iii) انبیاء

ان تینوں گروہوں کی اہم خصوصیت ان کے گفتار اور کردار کی مطابقت سے متعلق ہے۔ گفتار کی صداقت کردار سے ظاہر ہو کر ہی تاریخ میں ان کے معیار کا تعین کر سکتی ہے۔

سرکش سلاطین اور حکمراں پوری تاریخ میں ہمیشہ لہو لعب اور شر و فساد میں مبتلا رہے ہیں۔ اقتدار کی حفاظت و وسعت اور ہر لحاظ سے اپنے تسلط کو قائم رکھنے سے آگے ان کی سوچ کبھی نہ بڑھی۔ ان کے سامنے عوام اور ان کے انسانی حقوق کی کوئی وقعت نہ تھی اور نہ ہی عزت، شرافت، اور تکریم انسانی کا پاس۔ انصاف، مساوات، انسانی حقوق، بہبود و رفاہ اور دوسری مثبت قدریں ایسے نعرے تھے جن کے بہانے وہ انصاف پسندوں، مخلص حریت پسندوں اور دوسرے عوامی رہنماؤں کی سرکوبی، ان کی نفی اور اجتماعی بردباری کا سامان کرتے رہے۔ حقیقت میں ان کے عمل اور کردار میں واضح اور گہرا تضاد تھا۔ اس خود پسند حکمراں طبقے نے شعور و آگہی کی وسعت کے لیے انسانی افکار پر نہ تو کسی قسم کا کوئی مثبت اثر چھوڑا ہے نہ ہی محبت اور پیار کے لیے ان کے دلوں میں کوئی امید کا چراغ روشن کیا ہے۔ بلکہ ان سرکش، تسلط پرست اور مغرور حکمرانوں کا سارا زور پوری تاریخ میں علم و آگہی کے پیکر دانشوروں کو قید و بند

میں مبتلا کرنے اور آزادی وانصاف کے متوالوں کو محبوس کرنے پر صرف ہوتا رہا ہے جو آیندہ بھی جاری رہے گا اور چراغ عقل کو انسان شناسی میں پہلے سے زیادہ مشتعل کرتا رہے گا۔ جبکہ خدا کے نیک بندے ان سب باتوں سے ہٹ کر انسان کے باطن میں موجود کشش اور عرفانی جذبوں کی راہنمائی کرتے ہیں۔ وہ انسانوں کو صراط مستقیم کا نمونہ ودیعت کرتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ایک فلسفی اپنے شاگرد پیدا کرتا ہے اور پیغمبر اور انبیاء، اولیاء پیدا کرتے ہیں۔ فلسفی اور اس کے شاگرد انسان کو حقیقت کے ادراک کا راستہ دکھاتے ہیں۔ جبکہ پیغمبر اور اولیاء حقیقت تک پہنچانے کا سبب بنتے ہیں۔ فلسفی انسانوں کے شعور اور عقل پر رسائی حاصل کرتا ہے۔ جبکہ انبیاء اور انسان کے دل وفطرت اور طبیعت کو اپنا گرویدہ بنا لیتے ہیں۔ فلسفی محقق پروان چڑھاتا ہے اور پیغمبر ایثار گر اور سرفروش!

یہی وہ زاویہ نگاہ ہے جس کے ذریعے امام خمینیؒ کی پہچان ممکن ہے، ایسا شخص جس نے بیسویں صدی کا سب سے عظیم اور گرانقدر انقلاب تخلیق کیا ہے اور اسی کی بدولت گذشتہ صدی کا نام "انقلابوں کی صدی" رکھا گیا ہے۔

ایسی شخصیت جس نے مسلمانوں کے دلوں کو مبارزہ وجہاد جیسے عالی جذبوں سے سرشار کیا۔ امریکہ اور غول پیکر استکبار کے خلاف مزاحمت کی طاقت اور غاصب اسرائیل کے ساتھ کسی قسم کی سودے بازے کی نفی جیسی نعمت سے مسلمانوں کو نوازا ہے۔

انقلاب اور امام خمینیؒ ایک ہی وقت اور ایک ہی جگہ میں دو چیزیں ہیں جو نہ تو ایک دوسرے سے جدا ہوتے ہیں اور نہ ہی ایک دوسرے کو تحت الشعاع میں قرار دیتے ہیں بلکہ ان میں سے ہر ایک دوسرے کی شناخت کا ذریعہ ہے۔

اسلامی انقلاب پیغام الٰہی ہے اور امام خمینیؒ اس کے پیامبر، انقلاب اسلامی ایران کے اسرار کا ادراک تب ہی ممکن ہے جب آپ امام خمینیؒ کی شخصیت کا صحیح طور پر ادراک کرلیں، ایسے مقام پر یہ کہنا پڑتا ہے کہ اس عظیم اسلامی انقلاب کو نہ سمجھنے کی ایک بنیادی وجہ یہ ہے کہ اس کی معروف ومشہور ترین ہستی اب تک لاعلمی کے دبیز پردوں کے پیچھے چھپی ہوئی اور ناشناختہ رہ گئی ہے۔

اکثر مبصرین اسلامی انقلاب کے فلسفے اور اس کی بنیادوں کے ادراک اور اس کے ظہور کے

علل واسباب نہ جاننے کی بجائے، اس کی کیفیت اور اس کے سیاسی اور اقتصادی حالات کے متعلق پورا زور صرف کر رہے ہیں جبکہ انقلاب کے بنیادی فلسفے کا ادراک، انقلاب کی پیش رفت اور اس کی حفاظت کے لیے بہتر طور پر کردار ادا کر سکتا ہے۔ اس کے لیے یہی ایک راستہ ہے کہ امام خمینیؒ کے انقلابی افکار کے عرفانی پہلوؤں کو اجاگر کیا جائے۔

۱۹۷۹ء میں وقوع پذیر ہونے والے انقلاب کے بارے میں امام خمینیؒ جو عرفانی نکتہ نظر رکھتے ہیں۔ اس میں کسی شک وشبہ کی گنجائش نہیں، امام خمینیؒ کے مکتوبات اور بیانات میں بکثرت ایسے شواہد موجود ہیں جن کے مطابق اسلامی انقلاب کو زمینی عوامل اور مشیت الٰہی پر مشتمل ایک واقعہ کے طور پر دیکھا گیا ہے۔ وہ فرماتے ہیں:

"یہ اللہ تعالیٰ کی مشیت ہے۔ اس میں اللہ تعالیٰ کا ہاتھ ہے۔ افراد میں ایسی توانائی کہاں جو اس قدر عظیم تحریک کا آغاز کریں اور اتنی بڑی طاقت پیدا کر دیں۔ یہ انسان کا کام نہیں ہے۔ ایک مملکت کے تمام عورتوں، مردوں بچوں اور بوڑھوں کا یوں متحد ہو جانا، اس میں خدا کا ساز ہے۔ یہ خدا کا ہاتھ ہے۔ یہ الٰہی ارادے کا نتیجہ ہے جس نے ملک کے تمام طبقات کو ایک دوسرے کا بھائی بنا دیا ہے اور تمام مادی اصولوں کو غلط ثابت کر دیا ہے۔ یہ خدا کا ہاتھ اور اللہ تبارک وتعالیٰ کا اپنا ارادہ ہی ہے۔" (صحیفہ نور جلد ۶ ص ۱۱۳)

حضرت امام خمینیؒ کی انفرادی اور اجتماعی زندگی پر ایک طائرانہ نگاہ سے یہ حقیقت پوری طرح عیاں ہو جاتی ہے کہ وہ مجسم طور پر عرفانی افکار کے پرتو تھے۔ وہ ہمیشہ عرفانی افکار پر کاربند رہے۔ اسی طرز فکر ونظر نے ان کے کلام اور خاموشی پر گہرے نقوش چھوڑے ہیں۔ نصف صدی پر محیط ظلم وستم کے خلاف مزاحمت اور کسی قسم کی تھکاوٹ سے پاک ٹھوس تحریک کا یارا ایک ایسے انسان کو ہی ہو سکتا ہے جس کا توکل اور بھروسہ قدرت مطلق اور کائنات پر ہمیشہ حکم فرما رہنے والی ذات پر ہو۔ ایسا انسان کامل، جو اس راستے پر دیوانہ وار آگے بڑھ رہا ہو اور جس کا مقصد رضائے الٰہی کے سوا کچھ نہ ہو اور اسکا ذکر وفکر سلوک الی اللہ اور دیدار حق ہو۔ ایسا انسان کامل، جو فنا فی اللہ ہو، واصل بہی حق اور حریت انسانی کے راستے کے رہنماؤں کا ہراول مجاہد ہو۔ ان کا نظریہ کچھ یوں ہے، فرماتے ہیں:

"وہ سالک جو چاہتا ہے کہ اس کا نام حقیقت اور امر ہو جائے، اسے چاہیے کہ خداوند متعال کی رحمتوں کو اپنے قلب تک آنے دے۔ وہ اللہ کی رحمانی اور رحیمی صفات کا پرتو بنے، اس کی علامت اور مذکورہ رحمتوں کے حصول کے آثار اس طرح ہیں کہ وہ مخلوق خدا پر مہربان ہو اور اس سے پیار کرے۔ ہمیشہ خدا سے خیر و برکت کا طلبگار ہو، یہ طرز انبیاء عظام اور علماء کرام علیہم السلام کا طرز نگاہ ہے۔ البتہ ان کے سامنے دو پہلو ہوتے ہیں۔ ایک پہلو معاشرتی اصلاح، (نظام حکومت) اور شہری نظام ہے اور دوسرا پہلو انفرادی سعادت اور ان کا مقصود یہی سعادت کاملہ ہے۔" (آداب الصلوۃ ۲۳۵)

یہ انہی معہد عرفانی افکار ہی کا نتیجہ ہے جس کی بنیاد پر مخلوق کے اس عظیم مرشد نے حق کی طرف معاشرے کی حرکت میں ایک غیر معمولی تحریک پیدا کی ہے اور اپنا راستہ ہموار کرتے ہوئے ایک شدید اور جانکاہ مبارزہ کے ذریعے سالکان حق کو ظلم و ناانصافی اور غلامی کے خلاف بھرپور قیام کی دعوت دی کہ آخر کار اللہ تعالیٰ کی طرف سیر و سلوک کے راستے میں حائل ایک بہت بڑا پتھر پاش پاش ہو گیا جو کہ وقت کا بڑا طاغوت تھا۔ آپ نے اس شاہی نظام کو ڈھا دیا عالمی استکبار اور امریکہ جیسے عالمی غنڈے کو گھٹنے ٹیکنے پر مجبور کیا اور مسلمانوں کے ازلی دشمن اور قدس کے غاصب یہودیوں اور اسرائیل کو وحشت زدہ کر دیا۔

امام خمینی کا نظریہ ہے کہ "تزکیہ نفس" کا فقدان 'غلط اور ناپائیدار محرک 'خود پسندی' ہوس پرستی' دنیا طلبی وغیرہ... جن کی جڑیں شرک اور بے ایمانی میں پوشیدہ ہیں' یہ انسانی مقام اور مبارزہ کے راستے کی وہ رکاوٹیں ہیں جن کے ہوتے ہوئے انسان کبھی بھی انقلاب برپا نہیں کر سکتا اور اگر کوئی قیام اور مبارزہ شروع بھی ہو جائے تو اس کا جاری رہنا مشکل ہے اور اگر کسی طرح کچھ چل بھی نکلے تب بھی اس کا جاری و ساری رہنا اور اپنے مطلوبہ اہداف تک پہنچنا ممکنات میں سے ہے اور یہ حقیقت تمام اسلامی تحریکوں کی تاریخ سے ثابت شدہ ہے۔

امام خمینیؒ کا عقیدہ یہ ہے کہ غیر خدا کی پوجا اور غیر خدا کی طرف رجوع انسان کو ظلمانی اور نورانی پردوں میں محجوب کر دیتا ہے۔ تمام دنیاوی امور اگر انسان کو دنیاداری میں لگا دیں اور خدا کی طرف سے غفلت کا باعث بن جائیں تو ظلمانی حجابوں کا باعث بنتے ہیں۔ تمام عوالم اجسام خدا اور بشر کے درمیان ظلمانی پردے ہیں اور اگر یہ دنیا لقاء اللہ اور آخرت کے سامان کا وسیلہ قرار پائے تب تمام ظلمانی

حجاب نورانی حجاب میں تبدیل ہو جائیں گے۔ "کمال انقطاع" یہ ہے کہ ہر قسم کے ظلماتی اور نورانی حجاب ہٹادیئے جائیں تاکہ الٰہی مہمان خانے میں جو کہ عظمت اور شرف کی کان کی مانند ہے، داخل ہوا جاسکے۔ (مبارزہ بانفس ص ۱۷) پس معلوم ہوا کہ امام خمینیؒ کی نظر میں انقلاب کا فلسفہ وہی چیز ہے جو انبیاء کا مقصود رہا ہے۔ آپؒ فرماتے ہیں:

"تمام انبیاء کا مقصد ایک ہی تھا اور وہ ہے، ایک کلمہ پر لوٹ آنا۔ وہ کلمہ اللہ کی معرفت ہے' سارا مقصد اور بات یہی ہے۔ عمل صالح کی دعوت تہذیب و تزکیہ نفس کا حکم' امر بہ معروف وغیرہ سب کا مقصد واحدہ پر لوٹ آنا ہی ہے۔ ان کا مقصد یہ ہے کہ وہ جو انسانوں کی فطرت کا اصلی محور ہے' اس پر سے تمام پردے اور حجاب ہٹادئے جائیں تاکہ انسان کی محبوب حق تک رسائی ہو سکے اور یہی معرفت حق ہے۔ مقصود اعلیٰ بھی یہی ہے۔" (صحیفہ نور ج ۱۹ ص ۲۸۳)

یہی وہ مقصد ہے کہ جس سے حضرت امام خمینیؒ نے ایک کامیاب انقلاب کے لیے سیاسی لحاظ سے الہام لیا ہے۔ ہم یہ دعویٰ کر سکتے ہیں کہ امام خمینیؒ کے تمام بیانات میں موجود عرفانی جملے، سیاسی پہلوؤں کو اجاگر کرتے ہیں۔ امام خمینیؒ نے اس پیغمبرانہ روش پر عمل کر کے ایسے وقت میں جب بیسویں صدی کے اواخر میں پوری انسانیت مادیت پرستی اور آسمانی اقدار کی طرف پشت کرنے کی آگ میں جل رہی تھی' عرفان کی معجزاتی طاقت کا جلوہ دکھایا اور اس طاقت کے ذریعے ایک نئی پر امید دنیا اور عام اخلاقی اقدار اور معروف دینی اصول پر مبنی معاشرے کی تشکیل فرمائی اور حقیقت یہ ہے کہ اس عظیم اور شاندار ذمہ داری کو نبھانے میں کامیاب ہوئے۔

ہمیں اس بات سے غافل نہیں رہنا چاہئے کہ امام خمینیؒ ان معدودے چند عارفین میں سے ایک ہیں جو عرفان اور معرفت کی سیڑھی سے اوپر جاتے ہیں اور سیر و سلوک کی روح پرور خوشبو کو اپنی روح اور جان میں محسوس کرتے ہیں' تب دوبارہ نیچے آکر، مخلوق کے درمیان واپس لوٹ آتے ہیں اور لوگوں کی زبان میں حقیقت اور حق کی بات کرتے ہیں۔ امام خمینیؒ کا سیاسی عرفان شریعت سے جنم لیتا ہے اور عینیت کی طرف آگے بڑھتا ہے۔ امام خمینیؒ کے افعال و کردار کی عرفانی بنیادیں تیزی سے دینی اور شرعی قالب میں تبدیلی ہو جاتی ہیں اور وہ اخلاقی اور روحانی اقدار کی صورت میں اپنے پیروکاروں کی

ارواح اور نظام حیات پر نازل فرماتے ہیں۔

امام خمینیؒ ہمیشہ دعا اور ذکر الٰہی کے ذریعے اپنا حوصلہ بڑھاتے تھے۔ بہت ہی کم مواقع ایسے ہیں کہ امام خمینیؒ نے اپنے لیے کچھ کہا ہو' وہ فانی فی اللہ تھے۔ انھوں نے اپنا وجود اپنے آپ سے خالی کر دیا تھا۔ اسی بنیاد پر اگر آپ ان کے تمام بیانات کا بغور مطالعہ کریں تو ایسی کوئی خواہش' کوئی بات اور کوئی مقصد نہیں ڈھونڈ سکتے جو ان کی ذات کیلئے ہو اور انہوں نے اپنے لیے متعین کیا ہو۔ امام خمینیؒ ہمیشہ انبیاء کے مقصد کو ہی اپنا مقصد قرار دیتے تھے اور جو کچھ انبیاء کا مقصد تھا وہ تمام امور کا الٰہی کرنا تھا۔ تمام جہانوں اور انسانوں کو ایک ہی رب کی حقیقت کی طرف لوٹا دیا تھا۔ انبیاء کی بعثت کا مقصد یہی ہے کہ سب امور کو الٰہی کر دیں۔

امام فرماتے ہیں کہ "خدا کی خاطر قیام کریں" تو یہ وہی اصول ہے جو الہام کا مظہر اور امام خمینیؒ کی سیاسی زندگی کا محرک اور ان کے طرز تفکر کا روشن نمونہ ہے جبکہ تمام چیزیں اسی اصول پر ظہور پذیر ہوئی ہیں اور سب اعمال و اقدامات کا محور یہی اصول قرار پایا ہے۔ یہ اصول امام خمینیؒ کی اعلیٰ عرفانی طاقت سے حاصل کیا گیا ہے۔ جی ہاں! امام خمینیؒ ایک مرشد کامل معہد' انقلابی سلسلہ عرفانی کے بانی' عظیم مصلح زمان تھے جنہوں نے یہ حقیقت پایہ ثبوت تک پہنچائی کہ حقیقی عرفان کا مقام صرف انسان کے انفرادی افعال نہیں ہیں، چونکہ خداوند متعال "مطلق وجود" کا حاکم ہے' لہٰذا اس کی مطلق' حاکمیت انسانی زندگی کے تمام پہلوؤں پر حاوی اور طاری ہونی چاہئے اور تمام معاشرتی اور اجتماعی تعلقات الٰہی اقدار پر ہی استوار ہونے چاہئے اور اس طرح امام خمینیؒ کی توحید پرستی ان کے ان کے انقلابی افکار پر سایہ فگن ہوئی اور بندگی اور سیاست کے مابین سرحدی حدود کو مٹا گئی اور ان کی نظر میں عالم عبودیت اور عالم سیاست اور معاشرتی جہان کے مابین ہر قسم کا فرق مٹ جاتا ہے۔ وہ وجود کو پورے کا پورا خداوند متعال کا مقہور مانتے ہیں اور ایک الٰہی انسان کی ذمہ داری کا تعین یہ کرتے ہیں کہ وہ اپنی زندگی کے تمام پہلوؤں پر توحید اور خدا پرستی کو مجسم حالت میں نافذ کرے۔

ان کی روح ہمیشہ شاد رہے
ان کا مشن ہمیشہ جاری ہے

☆☆☆